OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 www.arjish.com ISSN (PRINT): 2707-1200
DOI: https://doi.org/10.53575/u15.v6.01(22)144-157

خردافروزی کی روایت اور قدیم مشرقی تہذیبیں ایک تحقیقی جائزہ

The Tradition of Micro-Cultivation and Ancient Eastern Civilizations

Tasneem Kausar Qureshi
Ph.D Scholar in Urdu, The Women University, Multan.
Email: tasnimkusar.qureshi@gmail.com

Dr. Shahida Rasool
Department of Urdu, The Women University, Multan.
Email: shahidaRasool9@gmil.com

Dr. Nazia Rahat
Department of Urdu, Ghazi University, D.G.Khan.
Email: naziashaukat27@gmail.com

Received on: 20-01-2022 Accepted on: 22-02-2022

Abstract

Humanity has traveled thousands of years of civilization and has made a long and patient struggle for its survival and betterment in order to achieve all the different values and styles and the consciousness of humanity that has been acquired through science and technology. This does not mean that humanity has achieved its goals. The first is that each new age or new phase continues to create new goals, and new ideals. The purpose of building and creating another human world is still a shameful fulfillment in which the evils of poverty, injustice, ignorance, inequality do not exist or at least. Personalities have been striving for the creation of conscious classes, for the good and for the ideals of justice and fairness. An intellectual and rational movement flourished in the West in the seventeenth century and its fruits came to light in the eighteenth century. This movement was called Enlightenment and Rationalism. The basic connection between Rationalism and enlightenment is obviously from Western theology and philosophy. But the difference between the two is that the nature of the East is not rational despite being rational and rationalist, so its knowledge and thought includes all aspects of esoteric experiences with sensory experiences and study of its effects in Eastern society can be done. Oriental civilizations have played a very active role in the evolution of human civilization.

Keywords: civilization, new age, new phase, ideals justice, an intellectual and rational movement, basic theology, philosophy, Oriental civilizations.

ملخص:

موجودہ دور میں علوم وفنون کی جو رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ مختلف اقدار اور اسالیب اور انسانیت کا جو شعور سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت حاصل ہوا ہے یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے انسانیت نے ہزاروں برس کا تہذیبی سفر طے کیا اور اپنی بقا اور بہتری کے لیے ایک طویل اور صبر آزما

جدوجہد کی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسانیت نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے ہیں اول تو یہ کہ ہر نیا دور یا نیا مرحلہ نئے اہداف، نئے مقاصد اور نئے آدرش پیدا کرتا رہتا ہے۔ دوسرے ایک ایسے انسانی عالم کی تعمیر اور تخلیق کا مقصد ابھی تک شرمندہ تکمیل ہے جس میں مفلسی، ناانصافی، جہالت، عدم مساوات کی بدصورتیاں موجود نہ ہوں یا کم از کم ہوں۔ انبیا اور مصلحین سے لے کر فلاسفہ اور حکما اور تخلیق کاروں سے لے کر دانش وروں اور سماجی کارکنوں تک سب ہی عظیم شخصیات باشعور طبقات کی تخلیق، حسن و خیر اور عدل وانصاف کے مثالیوں کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ مغرب میں سترہویں صدی میں ایک فکری اور عقلی تحریک نے فروغ پایا اور اٹھارویں صدی میں اس کے ثمرات سامنے آئے اس کو وہاں Enlightenment اور Rationalism کے نام دیے گئے خردافروزی اور روشن خیالی کا بنیادی تعلق تو ظاہر ہے کہ مغربی الہیات و فلسفہ ہی سے ہے گران دونوں میں فرق یہ ہے کہ طبع مشرق عقل دوست اور عقلیت پسند ہونے کے باوجود عقلیت پرست نہیں ہے اس لیے اس کے علم و فکر میں تجربات حسی کے ساتھ تجربات باطنی کی ساری جہات شامل ہیں اور مشرقی معاشرے میں اس کے اثرات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ا نسانی تہذیب کے ارتقا میں قدیم مشرقی تہذیبوں نے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ مشرقی تہذیبوں کی خردافروزی اور روشن خیالی نے انسانیت کو وہ کچھ دیا جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

کلیدی الفاظ: خردافروزی، روشن خیالی، نیا دور، نیا مرحلہ، کہ مغربی الہیات و فلسفہ، طبع مشرق، عقل دوست، باطنی جہات،

جب سے انسان کا اس دنیا میں ظہور ہوا اس نے اپنے نوعی اور حیاتیاتی تقاضوں کے تحت اپنی وہبی و فطری صلاحیتوں سے تہذیب و تمدن، اقدار ،علوم و فنون کی مشعلیں فروزاں کر کے اس ورثے کو آئندگان تک منتقل کیا ہے جس میں ہر نسل اور ہر قوم نے نئے نئے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اضافے بھی کیے اور فرسودہ ہو جانے والے عناصر کو متروک بھی کیا۔ اس دنیا کی بنیاد تغیر پر ہے، تغیر اپنا گواہ آپ ہے۔ خرد افروزی اور روشن خیالی اسی صداقت کی عقلی و شعوری تصدیق ہے۔ انسان نے اپنے معمولی انسانی وجود سے آگے بڑھ کر مسلسل اور حیرت انگیز نشو نما کی منزلیں طے کیں۔ آج کی پوری انسانی دنیا، اس کے عجائبات اور اس کی طاقتیں، اس کی خوبیاں اور اس کے نقائص، اسی ارتقا کی پیداوار ہیں۔ اس ترقی کا ہر قدم انسانی محنت، انسانی سعی، انسانی ہمت اور اس کی عقل و دانش کا ثمرہ ہے۔

خردافروزی اور روشن خیالی اردو کی دو ایسی فلسفیانہ اصطلاحیں ہیں جن کی مختلف مکاتب فکر نے مختلف تعبیرات کی ہیں۔ ''خرد'' اصلاً فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''پریشین انگلش ڈکشنری کے مطابق '' The First or supreme, intellect, سمجھ، عقل، بصیرت، ذہن، دماغ، فہم و فراست اور دانشمندی'' (۱) کے ہیں۔ اردو کی تقریباً تمام لغات میں بھی یہی مفاہیم درج ہیں جن میں عقل، دانائی اور سمجھ کے الفاظ مشترک ہیں یوں لغوی اعتبار سے خردافروزی سے مراد عقل کی روشنی کرنا یا دانائی کی افزودگی لیا جائے گا۔ عربی لفظ 'عقل' کے عربی لغات میں تقریباً وہی مفاہیم ہیں جو فارسی لفظ 'خرد' کے ہیں جب کہ اردو میں انگریزی کی فلسفیانہ اصطلاح rationalism کے مترادف کے طور پر عقلیت یا خردافروزی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ مغرب کے فلسفہ عقلیت کے تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے علی عباس جلال پوری نے مغرب کی اس مشہور تحریک عقلیت کو'' خردافروزی'' کا نام دیا۔ (۲)

خرد افروزی یا خرد افروز کے الفاظ فارسی کی قدیم وجدید لغات میں نہیں ملتے۔اس کے بر عکس خرد مند، خرد داد، خرد پرست، خرد پرور، خرد پسند ، خرد پوش، خرد پیشہ، خرد خام اور خرد خان خرد گاہ، خرد سال، خرد سوز کے الفاظ ملتے ہیں لفظ خرد افروز کے متعلق رفعت اقبال خان لکھتے ہیں:

''فورٹ ولیم کالج نے حفیظ الدین احمد سے ابوالفضل بن مبارک کی حکایاتی داستان ''عیار دانش ''کا ترجمہ ''خرد افروز '' کے نام سے ۱۸۰۳ میں شائع کروایا۔ خرد افروز نے ایک عرصہ تک شامل نصاب رہ کر اردو کے طالب علموں کے ذوق کا سامان کیا۔ چنانچہ پڑھے لکھے طبقات میں اس لفظ کا رواج تھا مگر اسے علمی یا فلسفیانہ اصطلاح کی حثیت حاصل کرنے میں ایک زمانہ لگا اور کہا جاسکتا ہے کہ علی عباس جلال پوری نے اسے یہ حثیت دی ورنہ اردو میں عقلیت کی اصطلاح ہی رائج رہی ''(۳)

مغرب میں سترہیوں صدی میں ایک فکری اور عقلی تحریک نے فروغ پایا اور اٹھارویں صدی میں اس کے ثمرات سامنے آئے اس کو وہاں Enlightenment اور Rationalism کے نام دیے گئے اس تحریک کو اردو میں روشن خیالی کا نام دیا گیا۔ روشن خیالی کی یہ تحریک نیوٹن اور جان لاک سے لے کر والٹیر اور روسو کے نظریات پر مبنی فلسفے پر مشتمل تھی۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کو روشن خیالی کی صدی کہا گیا۔ فرانسیسی روشن خیالی کو واضح طور پر مذہب کے خلاف ایک تحریک کا نام دیا جاسکتا ہے روشن خیالی کے اس دور میں اس نظریے کو استحکام حاصل ہوا کہ عقل فطرت کا عطیہ ہے اور مذہب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ خدا اگر ہو بھی تو عقل اس کا زریعہ ہے فرانسیسی اور برطانوی روشن خیالی کی بنیاد وہ انقلاب تھا جو سائنسی اور صنعتی ترقی کا مرہون منت تھا اس سائنسی اور صنعتی انقلاب نے جہاں یورپ کو جاگیرداری سے سرمایہ داری میں داخل ہونے کی راہ دکھائی وہاں اعتقادات اور کلیسائیت کی راہیں مسدود کر دیں۔ انسانی زندگی کے رنگ ڈھنگ میں جو مذہب کا عمل دخل تھا وہ بتدریج کم ہونا شروع ہو گیا اور سماج اس دائرے سے آزاد ہو کر انفرادی طور پر چیزوں کو دیکھنے کا عادی ہو گیا۔ انسانوں میں جمہوری فکر پروان چڑھی اور اس کی بنیاد پر سیاسی نظام جمہوری قدروں پر استوار ہونے لگے اور بادشاہوں، امرا اور جاگیرداروں کی گرفت انسانی معاشرے پر ڈھیلی پڑنے لگی۔ کیونکہ کلیساوں اور خانقاہوں کے بدکار، کاہل اور ناکارہ مذہبی ٹھیکیداروں نے انسانی فکر کو اس قید و بند میں ڈال رکھا تھا کہ آزادی کے ساتھ غور و فکر کرنا ایک نا قابل معافی جرم قرار پا گیا تھا۔ علی عباس جلال پوری خرد افروزی اور روشن خیالی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''اٹھارویں صدی کی مشہور عقلیاتی تحریک جو ہالینڈ اور فرانس سے شروع ہو کر تمام مغربی ممالک میں پھیل گئی ۔اس دور کے فلاسفہ کے پیش نظر دو نصب العین تھے(۱)۔ عقلیت(۲)۔انسان دوستی۔ وہ اس شاندار عقلیاتی ہیجان کے وارث تھے جو احیاالعلوم کے دوران یورپ میں ابھرا تھا۔ان کی اولیات یہ ہیں کہ انہوں نے فکر و تدبر کی روشنی کو دنیا بھر میں پھیلایا۔ علما اور ماہرین کی بجائے عام عورتوں اور مردوں کو مخاطب کیا اور اعلان کیا کہ تہذیب و تمدن اور علوم وفنون تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ میراث ہیں۔ انہوں نے فکر انسانی میں نئی روح پھونک دی، امید کی روح۔ وہ انسان کو فطرتاً نیک مانتے تھے اور انہیں توقع تھی کہ مستقبل میں نیکی ہی فتح یاب ہو گی۔ ان کی انسان دوستی حقیقی اور گہرے جذبے پر مبنی تھی جس نے ان میں بے پناہ جوش و خروش پیدا کیا۔ وہ مذہب سے بد ظن تھے لیکن انسان پر کامل

یقین رکھتے تھے ۔۔۔ قاموسیوں نے امرا کے استحصال اور پادریوں کی دین فروشی کے پردے بڑی بے رحمی سے چاک کیے۔ وحی اور الہام کے تصور کو رد کر دیا اور مادیت پرستی کا ابلاغ کیا۔ ان کی تحریروں کے باعث عقل و خرد کا احترام اور انسانی حقوق کی پاسداری کا احساس ہر کہیں مقبول ہو گئے۔ انسانی مساوات اور اخوت جیسی تراکیب زبان زد عوام ہو گئیں '' (۴)

اگر ہم کسی بھی اصطلاح کو اپنے ماحول اور پس منظر سے کاٹ کر الگ کر کے کسی دوسرے معاشرے، ماحول اور پس منظر میں منطبق کریں گے تو اس اصطلاح کے ساتھ انصاف کریں گے نہ اس معاشرے کے ساتھ جس میں ہم اس کا اطلاق چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ روشن خیالی کا صرف یہی مفہوم نہیں جو عام طور پر مغرب کی سترہویں اور اٹھارویں صدی کی مقبول عام تحریک کے پس منظر میں پیدا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری ان الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں:

''روشن خیالی خواہ اس کا تعلق سماج و تاریخ سے ہو یا فلسفہ و مذہب سے، علم و فکر کے بغیر جنم نہیں لے سکتی۔ جس نسبت سے کوئی فرد یا معاشرہ علم و فکر سے منور ہو گا، اسی نسبت سے اس میں روشن خیالی کا عنصر حاوی نظر آئے گا۔ یہاں میں ''علم و فکر'' کے الفاظ میں تجربات حسی و باطنی کی ان ساری جہات کو شامل کر رہا ہوں جو وحی و الہام، وجدان و عرفان، تخلیق و تعبیر اور تجدد و اجتہاد سب کا احاطہ کرتی ہیں'' (۵)

خردافروزی اور روشن خیالی کا بنیادی تعلق تو ظاہر ہے کہ مغربی الہیات و فلسفہ ہی سے ہے مگر خردافروزی اور روشن خیالی نے کئی قدم آگے بڑھ کر انسانی تاریخ، تہذیب، سیاست، معاشرت اور علم و ادب کی مختلف سطحوں کو متاثر کیا کہ اس اثر پذیری میں برعظیم مشرق کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور علمی و ادبی دنیا بھی شامل ہے۔ مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ طبع مشرق عقل دوست اور عقلیت پسند ہونے کے باوجود عقلیت پرست نہیں ہے اس لیے اس کے علم و فکر میں تجربات حسی کے ساتھ تجربات باطنی کی ساری جہات شامل ہیں اور مشرقی معاشرے میں اس کے اثرات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے جبکہ عقل پرستی، مادہ پرستی اور آفادہ پرستی نے اہل مغرب کو خدا کے الوہی تصور اور مذہب سے بہت حد تک دور کیا ہے جبکہ مشرق کا مزاج مذہبی اور روحانی ہے۔ اقبال جدید مغرب کا تجزیہ اپنی طویل نظم 'طلوع اسلام' میں کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی۔ یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو۔ ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے (۶)

مغربی علوم کی بنیاد پر استوار ہونے والا جدید نشاۃ الثانیہ کا تصور مشرق میں قابل قبول نہیں ہے ان اصطلاحات کا تعین ہمیں اپنی تاریخ اور تہذیبی سیاق میں کرنا چاہیے ہماری اجتماعی زندگی کے اپنے مطالبے ہیں ہماری تاریخ کے اپنے تقاضے ہیں نشاۃ الثانیہ کے میلانات کا تصور ایک عہد ظلمت کے ملبے سے برآمد ہوتا ہے۔ ہماری اجتماعی تاریخ میں ظلمت کا یہ دور آیا ہی نہیں۔ جبکہ چھٹی صدی عیسوی میں اسلام کی آمد نے پوری دنیا کو اپنی خردافروز اور روشن خیال فکر سے متاثر کیا، بالخصوص مشرق کو، یہی وجہ ہے کہ مشرق کی تاریخ میں مغرب جیسا عہد ظلمت کبھی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر روشن خیال تھے، جنہوں نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم سے روشنی پھیلائی اور اپنے معاشروں کو تاریکی سے نکال کر ان میں نئی تہاذیب کی بنیاد رکھی۔ ہر پیغمبر کے دور میں اس نئی سوچ کو کچلنے کی سازشیں کی گئیں جن کے واقعات قرآن مجید میں

مختلف جگہوں پر درج ہیں۔ یوں بھی مغرب اور مشرق میں عقلیت اور روشن خیالی کی توضیح کے پیمانے جدا جدا رہے ہیں کیوں کہ بعض امور میں مشرق اور مغرب امتیاز و اختصاص رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں عربی لفظ العقل کا مفہوم بھی پیش نظر رہنا چاہیے جو سامی روح کی مشرقیت کا فلسفیانہ اظہار ہے۔

خرد افروزی اور روشن خیالی کے جدید مغربی پس منظر کے ساتھ مشرقی فکریات کو بھی سامنے رکھا جائے تو واضح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ خرد افروزی اور روشن خیالی حال کی صورت گری اور رجائی انداز کے انتخاب کا نام ہے مگر جس سے معنوی طور پر وحی والہام ہی کی توثیق ہوتی ہے۔ خرد افروزی معاملات حیات و کائنات کے متعلق ایسے فکری رویوں کا اظہار ضرور ہے جن میں روایت و معقولات و تقلید محض کی بجائے عقل و استدلال کو ہزاروں برس کے تہذیبی ارتقا میں حاصل کردہ علم یا تجربات و مشاہدات کو بروئے کار لایا گیا ہو، لیکن اس سے ایک خرد پسند ،خود اعتماد طبع سلیم کے لیے روحانی تجربات و احساسات اصول و اقدار کی نفی لازم نہیں آتی اور اس کی وجہ مشرق و مغرب کا مخصوص سیاسی ،سماجی اور تہذیبی پس منظر ہے۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مغرب میں عظمت بشر ،وحدت انسانی، فلاح و بہبود انسانی ،اخوت و مساوات عامہ، شرف علم و عقل اور آزادی فکر و نظر جیسے خرد افروز تصورات حقیقی مذہبی اور روحانی روایات فکر سے بالکل اثر پذیر نہیں اور یہ تصورات فقط مادیت پسند، ماورائیت گریز فلسفوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس تمام بحث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک روشن خیال ذہن کسی نوع کا حامل عقیدہ ہوتے ہوئے بھی مقلد محض ہونے کی بجائے عصری تقاضوں کے مطابق روایات نو کی تشکیل کا اہل ہوتا ہے۔ وہ زندگی کو نت نئے علوم، تغیرات، تجربات و مشاہدات کے ساتھ دیکھنے اور تحقیق و جستجو کر کے تطابق و توافق اختیار کرنے یا اختیار شدہ فکر کو بدلنے پر قادر ہوتا ہے۔ روشن خیال شخص نہ قدامت پرست ہوتا ہے نہ روایت پرست۔ روشن خیال فکر معاشرے میں انسان دوستی، مساوات، تحمل و بردباری جیسی اقدار کو فروغ دیتی ہے اور مذہبی سیاسی اور سماجی حوالوں سے مثبت انداز کو قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ روشن خیالی بے تعصبی، رواداری اور کشادگی قلب و ذہن کو جنم دیتی ہے ۔ روشن خیالی نہ صرف مادی ترقی کو آگے بڑھاتی ہے بلکہ انسانی فکر کو مائل بہ ارتقا بھی رکھتی ہے۔

وہ سماجی قوتیں جن کو طاقت اور اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ معاشرے میں بالادست کی خوشنودی، کمزوروں پر جبر اور قانون شکنی جیسی منفی اقدار کو اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے فروغ دیتے ہیں یہ منفی معیارات انسان دوست، خرد افروز اور روشن خیال فکریات کے فروغ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں اس جدلیات کی کارفرمائی نظر آتی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بہر حال کامیابی شعور اور فکر نو کی ہی ہوتی ہے۔ تاریخ میں فرعون، نمرود و شداد جیسے حکمران اور ان کے حلیف پروہت اس زاویے سے انسان دشمن نظر آتے ہیں مگر جلد ہی یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ انہی بالادست طبقات کے ہاتھوں انسانیت کی بہتری کے اقدامات بھی سرانجام پاتے ہیں۔ عام طور پر مذہبی عقیدہ عقلی ترقی اور آزادی کے لیے مفید نہیں سمجھا جاتا، لیکن بعض اوقات یہ افکار و عقائد میں اشتراک پیدا کر کے انسانیت کی ترقی کا باعث بنتا ہے۔ ماضی میں شخصی مذہبی حکومت کے سیاسی تحکم نے پر اثر عقیدے کے ساتھ مل کر بالواسطہ طور پر عقلی ترقی میں اپنا کردار ادا کیا۔ اس مصلحت پرست

امتزاج نے صنعت و تجارت اور دیگر تمدنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے علوم و فنون کو پروان چڑھایا اور یوں انسانی عقلی صلاحیتوں کے وسیع تر استعمال اور تربیت کے مواقع پیدا ہوئے۔ بقول رابرٹ بریفالٹ:

''جیحوں، گنگا، ٹیگس، فرات اور نیل کے دریاوں کی کیچڑ سے تہذیب پیدا ہوئی حصول غذا میں آسانی نے فرصت اور فرصت نے فکر و ایجاد کے مواقع پیدا کیے''(۷)

لیکن عقلی ترقی کا سبب صرف یہی بالادست طبقات ہی نہیں بلکہ تہذیبی ترقی کے کئی اہم اسباب ہوتے ہیں انسان کی ہر طرح کی ترقی کا دار و مدار اس کی عقلی ترقی کے باعث ہے اور رابرٹ بریفالٹ کی اس رائے سے بھی کلی اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ دریاوں کی کیچڑ سے تہذیب پیدا ہوئی کیوں کہ دنیا میں ایسے بہت سے دریا جیحوں، گنگا، ٹیگس اور فرات جیسے ہیں اور انکی آب و ہوا اور جغرافیائی ماحول ان دریاوں جیسا ہی ہے لیکن وہ کسی تہذیب کی پیدائش کا سبب نہیں بنے۔ اسی طرح فریڈرک نیٹشے تہذیب و تمدن کے بارے میں اپنی مشہور کتاب زردشت کے دوسرے دفتر میں سرزمیں تمدن کے عنوان میں لکھتا ہے:

''تمام تہذیب ظلم اور غلامی کی پیداوار ہے''(۸)

ظلم یا غلامی یا نامساعد حالات تہذیب و ترقی اور آگے بڑھنے کی لگن میں محرکات ہوتے ہیں تہذیب کی نشو نما میں مختلف عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں لیکن کسی ایک عامل کو تہذیب کا محرک قرار نہیں قرار دیا جاسکتا رابرٹ بریفالٹ لکھتے ہیں:

کاش ہم فخریہ یہ کہنے کے قابل ہوتے کہ تہذیب انسانی کی بنیاد آزادی پر ہے جس کو ظلم و جبر اور غلامی سے کوئی واسطہ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسانوں نے وہ عظیم الشیان محل اور مندر نہیں دیکھے جو ہزارہا انسانوں کے آنسوؤں اور خون کے قطرات سے تعمیر ہوئے تھے انہیں اپنے لیے اچھے مکانات بنانے کا خیال نہ آیا تھا''(۹)

وادی دجلہ و فرات میں تہذیب کی ابتدائی شکل سومیری کہلاتی ہے جو تنظیم کے اعتبار سے دنیا میں اولیت رکھتی ہے مصری اور قبل آریائی دراوڑی کلچر سومیری کلچر کے ہم عصر ہیں سومیریوں کے بعد عکادوی آئے جن کے پہلے بادشاہ حمورابی (۲۱۰۰ق۔م) کا مجموعہ قوانین معروف ہے۔ میسو پوٹیما کے شہر 'ار' (Ur) میں حضرت ابراہیم کی پیدائش ہوئی جو بعد میں ہجرت کر کے کنعان میں آباد ہوئے۔ مینار بابل اور اہرام مصر کو دیکھ کر آج کا خرد پسند جدید انسان فراعنہ کے جبر، خبط زدہ احساس عظمت اور لاشریک تحکم کے ناخوشگوار ادراک کے باوجود اس حقیقت کو قبول کرنے پر مجبور ہے کہ ایسی اور اس نوع کی دیگر سرگرمیاں مثلاً بالادستی اور ملک گیری کی خاطر لڑی جانے والی جنگیں ایک طرف عقلی علوم کی نشو نما کا باعث بنیں تو دوسری طرف تہذیبی تفاعل و تعامل کی متنوع صورتوں نے شکل پزیر ہو کر انسانی ترقی کو آگے بڑھایا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عقلی تخلیقی سرگرمیاں ہر فرد کی فطرت میں داخل نہیں ہوتیں۔ انسانوں کی اکثریت ہمیشہ سے تقلید پرست اور قدامت پرست ہوتی ہے جبکہ ایک مختصر اقلیت اپنے قوائے عقلی و جسمانی کو استعمال کر کے انسانیت کی راہنمائی کرتی ہے۔ سر جیمس فریزر نے لکھا ہے:

''عمرانی ارتقا کے اس مرحلے پر مطلق العناں بادشاہ نوع بشر کا سب سے بڑا محسن ہوتا ہے اور کس قدر عجیب بات ہے کہ وہی انفرادی آزادی کا

سب سے بڑا علم بردار بھی ہوتا ہے"(۱۰)

دور حاضر میں بنیادی، فطری انسانی شہری حقوق کا معاملہ خرد افروزی اور روشن خیالی کے تصور سے جڑا ہے۔ سماجی حالات کی تبدیلی اور جدید سماجی علوم خاص طور پر نفسیات اور سماجیات کی ترقی نے جرم و سزا کے قدیم تصور کو بدل دیا ہے لیکن آج بھی فرق مراتب کو عملاً دنیا سے مٹانا بہت مشکل ہے۔ اس لیے قدیم دور میں ایسے قوانین کا اطلاق جو طبقاتی امتیازات سے بالاتر ہو ممکن نہیں، جبکہ حمورابی کے مجموعہ قوانین میں صرف چونتیس جرائم پر سزائے موت کا اطلاق ہوتا ہے لیکن انیسویں صدی کے برطانیہ میں تین سو جرائم کی سزا موت تھی چند قوانین ایسے ہیں جو معاشرے میں عورت کی خاطر خواہ اہمیت کا پتہ دیتے ہیں اور خواتین کے کچھ قوانین تو ایسے ہیں جن کا حصول پاکستانی معاشرے میں خرد افروز اور روشن خیال طرز فکر کے بغیر ممکن نہیں۔ ڈاکٹر مبارک علی سومیری تہذیب میں عورت کی حثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شادی کے بعد ایک معائدہ ہوتا تھا جسے مہر لگا کر بطور حفاظت خاندان میں رکھ لیا جاتا تھا اگرچہ مرد کو برتری تھی مگر عورتوں کو جو بھی حقوق دیے گئے تھے ان کو قانونی حثیت حاصل تھی۔ طلاق لینے اور دینے میں آسانی تھی لیکن جیسے جیسے سماج آگے بڑھا اسی طرح سے عورت کمزور ہوتی چلی گئی اور وہ مرد کی عزت کی علامت بن گئی جس نے اس کی اپنی حثیت کو ختم کر دیا"(۱۱)

دراصل حمورابی کا عہد صدیوں کے ارتقا کے بعد ایک بہتر اور مربوط ضابطہ قوانین کو شکیل دینے کے قابل ہوا تھا یہ عمل بہت سے قابل او روشن خیال لوگوں کی بدولت ممکن ہوا۔ جب کوئی سماج پھیلتا ہے تو اس میں ہر قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں ان مسائل سے نمٹنے کے لیے قوانین ضروری ہوتے ہیں مگر لوگ قوانین کی پابندی اس وقت کرتے ہیں جب انہیں معلوم ہو کہ ان کے زریعے انہیں انصاف ملے گا حمورابی کے قوانین کا ایک اہم مقصد انصاف قائم کرنا تھا اس کے قوانین کی بنیاد آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت والے اصول پر قائم تھی ۔ مالک رام جو کہ ۱۹۳۹ میں حکومت کی طرف سے عراق بھیجے گئے اور تین برس وہاں قیام کیا حمورابی کے ضابطہ قوانین کو اردو میں ترجمہ کیا۔ مالک رام نے اپنی کتاب میں بہت وضاحت سے حمورابی قوانین کی ایک ایک شق کو بیان کیا ہے اور ہر قانون کا پس منظر بیان کیا ہے حمورابی کا ضابطہ قوانین پڑہنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ کس قدر انصاف پسند، مہربان لیکن نہایت ذہین و فطین شخص تھا اور اس کی خرد افروزی اور روشن خیالی اس کے ایک ایک قانون سے جھلکتی ہے:

"اگر معمار کوئی مکان بناتا ہے اور مکان بننے کے بعد یا دوران تعمیر اس کی دیوار گر جاتی ہے تو یہ معمار کو اپنے خرچہ سے بنانا ہو گی۔ جھوٹی گواہی دینے والے کو قتل کر دیا جائے گا۔ باپ کو اپنے بچوں پر اس وقت تک کنٹرول ہے جب تک کہ ان کی شادی نہ ہو جائے۔ اگر ڈاکٹر اور سرجن غفلت سے مریض کو نقصان پہنچاتا ہے تو اسے اس کی سزا ملتی تھی"(۱۲)

یہ بابلی اور سمیری تہذیب اخلاقی طور پر بہت مضبوط تھی۔ معاشرہ خوشحال تھا ان سب باتوں کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ بابل کی تہذیب ایک ترقی یافتہ تہذیب تھی یقیناً اس نے اپنے ارتقائی مراحل کہیں اور طے کیے ہیں لیکن اس ترقی کے بعد ان کی نشو نما رک گئی ان کا تخلیقی جذبہ سرد پڑ گیا۔ ان پر سکون و جمود طاری ہو گیا۔

سومیری تہذیب نے اپنی عقلی صلاحیتوں کا آخری قطرہ تک انسانیت کے ارتقا کے لیے وقف کر دیا اور جب انہوں نے اپنی منزل کو پالیا تو اس کے ثمرات سے ہزاروں برس تک مستفید ہوتے رہے جب تخلیقی جذبہ سرد پڑا عقلی توانائیاں نے پر سکون ہو کر گوشہ راحت تخلیق کیا تو قوم پر سستی اور کاہلی غالب آگئی ایسے میں مصری قوم نئی تخلیقی اور عقلی صلاحیتوں سے مالامال دنیائے عالم کے نقشے پر جذبہ تازہ لے کر نمودار ہوئی۔

اس ملک کو فرعون اور حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے انسانی تاریخ میں بھی خصوصی مقام حاصل ہے۔انسایکو پیڈیا تاریخ عالم میں ولیم ایل لینگر لکھتے ہیں ''مصر وادی نیل کے اس حصے پر مشتمل ہے جو ڈیلٹا سے اسوان تک پھیلا ہوا ہے قدیم مصری زبان میں اس کو کیمٹ کہتے ہیں جس کا مطلب ہے سیاہی مائل زمیں ''(۱۳)

اہلِ مصر ایک ترقی یافتہ قوم تھے۔ مصری قوم میں لیبیا، مغربی ایشیا، سامی، سوڈانی اور توبیائی لوگ بھی شامل تھے اور یوں ایک مخلوط تہذیب وجود میں آئی جو ثقافتی اعتبار سے بھی توانا روایات کی حامل تھی۔ان کا کلچر سمیری کلچر سے مختلف تھا اور انفرادیت کا حامل تھا۔ مصر چونکہ دریائی علاقہ تھا ہر سال نیل کے سیلاب سے بڑی تباہی آتی اس کے علاوہ خشک موسم میں زمینیں بنجر ہو جاتیں اس کے لیے دریائے نیل کا رخ موڑنا اور بند باندھ کر زمینوں کو سیراب کرنا بہت ضروری تھا اس کام کے لیے زبردست وسائل، افرادی قوت اور ماہر انجینیر وں کی ضرورت تھی۔ مصری ذہین لوگوں نے قدیم زمانے کے نامساعد حالات میں اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہیرو ڈوٹس کے بیان کے مطابق:

''مصر کے سب سے پہلے فرعون منی (مینا میز۔) نے ایک زبردست بند بنوایا اور یوں دریائے نیل کا راسہ تبدیل کر کے ممفس (من نوفر) آباد کیا'' (۱۴)

مصریوں نے حیات بعد الموت کے تصور کی وجہ سے لاشوں کو حنوط کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہوں کی لاشوں کے لیے اہرام تعمیر کیے۔ پیپرس سے کاغذ بنایا۔ لکھنے کے لیے حروف ایجاد کیے۔انہوں نے طب میں کمال مہارت حاصل کی۔ مصر میں فرعون اخناتن نے تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ بُت پرستی اور مجسمہ سازی کے خلاف آواز بلند کی اور دیوتاوں کے مجسمے بنانے سے منع کیا۔اس کے دور میں پاپائیت بہت مضبوط تھی اور بادشاہ عوام کے مفاد میں قوانین سازی نہیں کر سکتے تھے مذہبی پروہت ہر اختیار کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے یہاں تک کہ فرعون جیسے بادشاہ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوتے تھے۔ عوام دیوتاوں کی حقیقت سے آگاہ تھے لیکن یہ پروہت مختلف سائنسی اور تکنیکی کرتبوں کی مدد سے عوام کو ضعیف الاعتقاد بنانے کی کوشش کرتے۔ان پروہتوں کی طاقت اور اثر کی وجہ سے بادشاہ ان کا تعاون حاصل کرتے، اور عوام کو ہر طرح کی خرد افروزی اور روشن خیالی سے دور رکھنے کی کوشش کرتے، کیوں کہ خردافروزی اور روشن خیالی سے ان کی ہزاروں برس سے قائم طاقت اور جبروت کا خاتمہ یقینی تھا۔ پروہتوں کے غلبے اور طاقت کو ختم کرنے کی کوششیں سمیری دور میں بھی بہت سے بادشاہوں کی طرف سے ہوئیں لیکن پروہت اپنے مضبوط جاسوسی نظام اور مفاد پرست لوگوں کی مدد سے غالب رہے اور بادشاہوں کو شکست کا سامنا کر کے انہی پروہتوں سے اپنے اقتدار کی بھیک مانگنی پڑی۔ یہی کوشش ایک بار پھر اختانون نے کی۔اختانون نے اپنی بہتر حکمت عملی سے عوامی مفاد کی قانونی ترامیم کیں۔

اس نے اپنے مخلص اور مدبر وزیروں کی مدد سے پروہتوں کے ہر حربے کو ناکام بنایا۔اختانون نے عوام میں سیاسی بیداری پیدا کی۔اس نے ملک میں خدائے واحد کی اطاعت کا قانون جاری کر دیا اور قانونی طور پر لوگوں کو دیوتاوں کی مجسمہ سازی سے منع کیا۔فرعونوں کے ملک میں اکیلے اختانون کے خرد افروزی اور روشن خیالی کے اقدامات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔تاہم محققین اور ماہرین کا خیال ہے کہ دنیا میں وادی دجلہ، فرات اور وادی نیل دو ایسے خطے ہیں جہاں پر بسنے والی قوموں کے تمدن بارے نشانیاں دریافت ہوئی ہیں جن سے ان کی عقلی فتوحات، فکر و خیال، مذہب اور رسومات بارے اہم معلومات کی تصدیق ہو گئی ہے۔

قدیم دنیا کی تجارت میں مشرق کا کردار کلیدی تھا۔شاہراہ ریشم قدیم دنیا میں عالمی تجارت کا سب سے بڑا محور تھا۔یہ راستہ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف آتا جاتا تھا۔اس شاہراہ نے اقوام عالم کے درمیان اقتصادی اور ثقافتی رشتے بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔اس طرح چین انسانی تہذیب کی ترقی اور خرد افروزی کی روایت میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

سن ۱۹۰۰ میں شمالی چین کے علاقے ہونان میں قدیم آثار دریافت ہوئے اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی تحریریں ملیں تو ان تحریروں سے چین کی پرانی تہذیب کے بارے میں حیران کن انکشاف ہوئے۔ان تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸۵۷ قبل مسیح میں فیو شی(fu hsi) بادشاہ نے فن تحریر ایجاد کیا، چینوں کا کلینڈر بنایا۔اس کے بیٹے شن فنگ (۲۷۳۷ سے ۲۷۰۵) نے حکومت کی اس بادشاہ کے بارے میں اے۔اے ہاشمی اپنی کتاب 'نوع انسان اور تاریخ و تہذیب عالم' میں لکھتے ہیں:

''اس بادشاہ کو علم ادویات، زراعت اور تجارت کا باوا آدم کہا جاتا ہے اس کے بعد ہونگ ٹی بادشاہ ہوا اس کو زرد شہنشاہ(yellow Emperior) بھی کہا جاتا ہے اس نے قطب نما، لباس، سکہ، تیر کمان اور تابوت ایجاد کیے۔ہونان(Honan) کی کھدائی سے 'ہیسا' اور 'شنگ' خاندان کے زمانے کی تحریریں ملی ہیں جن میں شاعری بھی شامل ہے چینی رسم الخط نشانات اور تصویروں پر مشتمل ہے''(۱۵)

کسی قوم کے عقائد و نظریات اس کی فکر اور سوچ کا اندازہ اس معاشرے میں طبقاتی تقسیم سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے چین کی تاریخ کے ابتدائی دور میں سماج میں چار طبقات ہوتے تھے پہلا طبقہ ادیبوں کا دوسرا کسانوں کا تیسرا طبقہ کاری گروں کا اور چوتھا طبقہ تاجروں کا تھا اس طبقاتی تقسیم سے چین میں علم، خرد افروزی اور روشن خیالی کی مضبوط روایت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ہر معاشرے میں طاقت ور پہلے درجے پر ہوتا ہے چاہے طاقت کا سبب کچھ بھی ہو۔چین میں پڑھے لکھے اور دانش وروں کی قدر کی جاتی تھی چینی، حکومت کی عنان دانش وروں کے ہاتھ میں دینا پسند کرتے تھے مصوری خطاطی اور شاعری تعلیم یافتہ افراد کی بنیادی شرائط میں شامل تھی۔چین بنیادی طور پر ایک زرعی ملک تھا اس لیے کسانوں کو اہم افراد میں شمار کیا جاتا تھا اگرچہ کسانوں کا استحصال ہوتا تھا۔سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں ان افراد سے مفت مشقت کرائی جاتی تھی ان سے کام لینے کے لیے بہت ظالم افراد کو مقرر کیا جاتا، لیکن اس کے باوجود بادشاہوں کا خیال تھا کہ بھوک اور قحط میں سونے چاندی کو نہیں کھایا جا سکتا اس لیے کسانوں کی معاشرے میں قدر تھی۔معاشرے میں کاری گروں کے بعد تاجروں کا درجہ آتا تھا چین امن پسند ملک تھا یہ ملک سمیری اور مصریوں کی طرح شہری ریاستوں پر مشتمل تھا شہری اور شریف لوگ فوج میں بھرتی ہونا پسند نہیں کرتے تھے اس لیے سپاہی ادنا

لوگ ہوتے تھے۔ سپاہی ہونا برا سمجھا جاتا تھا فوجی زیادہ تر قبائلی لوگ، غلام اور جنگی قیدی ہوتے تھے اسی وجہ سے فوج میں ہر شخص کو دو سال کی لازمی خدمات انجام دینی ہوتی تھی کاروبار کرنے والوں کی بھی عزت نہیں تھی کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ کاروبا کرنے والے چیز خریدتے اور بیچتے ہیں اس لیے اس کام میں وہ اپنی طرف سے کوئی فعال کردار ادا نہیں کرتے۔

قدیم چین میں کنفیوشس ایک دانش ور اور مفکر تھا۔اس کے خیالات و نظریات نے نہ صرف چینی ذہن کو متاثر کیا بلکہ کنفیوشس کی تعلیمات نے چینی سماج میں خردافروزی اور روشن خیالی کی روایت کو مضبوط کیا۔ کنفیوشس کے خیالات نے عام چینی ذہن کو اتنا متاثر کیا کہ لوگوں نے اس کو مذہبی پیشوا کا درجہ دے دیا۔ کنفیوشس کی تعلیمات کے متعلق بوسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر داودر ہبر لکھتے ہیں:

''وہ چاہتا تھا کہ بادشاہ عوام کے بیٹوں کو اپنے بیٹوں کی طرح سمجھے یعنی بادشاہ کی حثیت عوام کے باپ کی ہے اس لیے وہ ان سے پیار و محبت اور شفقت و رواداری کا برتاو کرے ،ان سے مفت بیگار نہ لے اور برابری اور مساوات کو فروغ دے۔اس کے فلسفہ سے چین کے لوگ بے حد متاثر ہوئے،،(۱۶)

یہ چین کا بڑا کارنامہ ہے کہ وہاں بیوروکریسی میں پڑھے لکھے نوجوانوں کو بھرتی کرنے کے لیے مقابلے کے امتحان ہوتے تھے۔تاریخ چین میں چینی بادشاہت و حکومت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ بادشاہتیں بدلنے کے باوجود انتظامیہ کا سلسلہ صدیوں تک مسلسل مربوط رہا۔ مشرق ادب ،علوم اور فلسفہ کے واسطے چین کا شکر گزار ہے۔

خردافروزی اور روشن خیالی میں قدیم ہندوستان کا بھی بڑا اہم کردار ہے۔ موہن جوداڑو اور ہڑپہ قدیم ہند کے عظیم ترقی یافتہ شہر سومیری تہذیب کے ہم عصر تھے۔ان شہروں کی کھدائی سے پتہ چلا ہے کہ یہاں سائنس، تجارت اور فن عروج پر تھے اور یہاں کے شہری مہذب اور تجارت پیشہ تھے،ان کا رنگ سانولا تھا اور قد لمبا نہیں تھا،ان کا فن تحریر پڑھا نہیں جا سکا۔ موہنجوداڑوں کی متنوع شہری زندگی صدیوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ تھی اس تہذیب کا قدیم عراقی، مصری اور ایلمی تہذیب سے موازنہ کریں تو بہت گہری مماثلتیں نظر آتی ہیں جو کہ اتفاقی نہیں ہیں اور اس کی قدامت کی گواہ ہیں۔ پانچ ہزار برس پہلے جب آریا یہاں آئے تو انہوں نے ان تہذیب یافتہ لوگوں پر غلبہ پالیا اور ان کی تہذیب کو تباہ و برباد کر کے ان کو غلام بنالیا۔آریاوں نے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے برہمنوں کو سیاسی اور مذہبی طور پر طاقت ور بنایا اس طرح برہمن ہند کی برتر ذات اور طبقہ خاص بن گئے جن کے قبضے میں آکر ہند کی سوچ و فکر پر تغیر و تبدیلی کے دروازے بند ہوتے چلے۔ گئے۔آریاوں نے سماج کو چار طبقوں میں تقسیم کیا جن میں سب سے نچلہ طبقہ شودر کہلایا ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر آریاوں کی طبقاتی تقسیم کے بارے میں مختصر تاریخ اہل ہند میں لکھتا ہے:

''چار ہزار سال کا عرصہ ہوا کہ آریا شاعروں نے وید تصنیف کیے اور ان میں اپنے روشن دیوتاوں کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے داسون کو قتل کیا اور آریا رنگ کی حفاظت کی اور سیاہ فاموں کو آریا کا مطیع کیا''(۱۷)

چھٹی صدی قبل مسیح کو تہذیب کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ وہ عہد تھا جب چین تا یونان لوہے کی تہذیب کانسے کی تہذیب پر

پوری طرح غالب آئی اس ٹیکنیکی انقلاب کے باعث مہذب دنیا ایک نئے دور میں داخل ہوئی ۔نئے پیشوں اور نئی صنعتوں نے فروغ پایا۔ تجارتی سر گرمیاں تیز ہوئیں اور دور دراز کے ممالک سے روابط بڑھنے لگے۔ صرف تجارت ہی نہیں بلکہ ایک دا سرے کے افکار و عقائد سے بھی آگاہی بڑھنے لگی اب انسان کی ذہنی بیداری میں بھی وسعت پیدا ہو گئی۔ اب دیوی دیوتاوں کی طفل تسلیاں انسان کو مطمئن نہیں کر سکتی تھیں اور زندگی کی نئی حقیقتیں نئی تشریح کا مطالبہ کر رہی تھیں اس صدی میں جگہ جگہ سماجی اصلاح کی تحریکیں اٹھیں اور نئے نئے نظریات پیش کیے گئے اس کے محرکات یہی تھے۔ گویا انسانی شعور اس تاریخی مرحلے پر اپنی بلوغت کے اہم درجے کا اظہار کر رہا تھا۔ سیاسی، مذہبی اور نسلی تشدد سے بیزار عوام کو ایک بہتر قابل قبول اور قابل عمل فلسفہ حیات کی ضرورت تھی۔ بدھ مت نے مساوات، زر و مال سے گریز، احترام انسانیت اور شفقت وایثار کی تعلیم دی۔ اس دور کے فلسفے نے انسان کو بتایا کہ یہ کائنات ایک اتفاقی حادثہ ہے اس زمانے میں سماجی اصلاح کے جو نظریے پیش کیے گئے ان کی تعداد ساٹھ سے زائد ہے ان میں سے ایک دانش ور جین مت کا بانی مہاویر ہے ایک دانش ور اجیتا ہے جو یہ کہتا تھا کہ دیوی دیوتاوں کی پوجا فضول ہے اور قربانی اور ویدک رسموں کو ادا کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ انسان مٹی، پانی، ہوا اور حرارت سے مل کر بنا ہے اور جب وہ مر جاتا ہے تو یہ عناصر اربعہ منتشر ہو جاتے ہیں۔ یہ سب دانش ور جنگ کے خلاف تھے جانوروں کی قربانی کے خلاف تھے لیکن ان سب میں قبول عام کی سند گوتم بدھ کے حصے میں آئی۔ ماسٹر تاراچند لکھتے ہیں:

''بدھا ازم برہمنیت کی رواج پرستی کے خلاف ایک احتجاج تھا اس نے روح، (آتمن) اور خدا (برہمن) کی ماہیت کے بارے میں برہمنیت کے بنیادی نظریات کی سخت مذمت کی اور دونوں کا قطعی انکار کر دیا''(۱۸)

چین میں کنفیوشش، ایران میں زرتشت، یونان میں فیثا غورث اور ہندوستان میں گوتم بدھ اور مہابیر کا تعلق انھی دو صدیوں سے ہے گوتم بدھ نے معرفت حاصل کرنے کے بعد عام لوگوں کو شفقت و محبت، ہمدردی واحترام، وفاداری، مساوات، حسن سلوک اور ادب و تعظیم کی ہدایات دیں۔ انھیں انسان کی بنیادی صفات و خصوصیات سمجھائیں، موت و حیات کا فلسفہ بیان کیا، رنج و غم کے اسباب بتائے اور ان سے نجات کے طریقوں کی تعلیم دی۔ تاہم انھوں نے دوسرے بڑے مذاہب جیسے ہندو، عیسائی، یہودی اور اسلام کی مانند نہ تو خدا کے وجود پر کوئی بحث کی ہے، نہ کائنات کی تخلیق کے اسباب پر روشنی ڈالی، اور نہ ہی زندگی، موت اور روح کی وضاحت کی ہے۔ دراصل فکری دانش وری کا سماج پر گہرا اثر پڑتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ سماج کلی طور پر ان مفکروں کی گرفت میں ہوتے ہیں مختلف زمانوں میں معاشرہ فکر کی نئی نئی قسموں سے روشناس ہوتا ہے، بادشاہوں کے درباروں میں علما و عقلا کا مجمع، سکندر کا ارسطو سے راہنمائی لینا، موریہ خاندان کی چانکیہ کی پیروی، اشوک کا بدھ کی پیروی میں اہنسا کا پرچار، اکبر کے نورتن، یہ سب عقلی فکر و دانش کے سیاسی اور سماجی کردار کے قریبی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں چنانچہ اس دور میں ہندوستان میں مختلف فکری دھارے پروان چڑھتے نظر آتے ہیں۔ ہندوں نے صنعت و حرفت اور فکر و فن میں بیش بہا ترقی کی۔ قرون وسطی اور عصر جدید کے یورپ کا نظام طب بلاواسطہ طور پر عربوں اور عربوں کی وساطت سے ہند کا مرہون منت ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کے تمام تاریخی محققین اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ہندوستان کو قدیم

زمانے میں ہندوستان نہیں کہا جاتا تھا اور یہ آریاوں کا آبائی وطن ہر گز ہر گز نہیں تھا اعجاز الحق قدوسی نے اپنی کتاب تاریخ سندھ میں لکھا ہے:

''آج سے ہزاروں سال پیش تر جب آریہ ادھر آئے تو انہوں نے اس کا نام'' سندھو'' رکھا کیوں کہ ان کی زبان میں دریا کو سندہو کہتے تھے ایرانیوں نے اپنے لہجے میں سندھ کو ''ہند'' کر ڈالا اور یونانیوں نے ''ھ'' کو اس کے قریب ترین مخرج حرف ہمزہ سے بدل کر ''اند'' کر دیا۔ رومن میں یہ لفظ ''اند'' سے ''اندیا'' ہو گیا اور انگریزی زبان میں چونکہ ''دال'' نہیں اس لیے وہ انڈیا بن گیا''(۱۹)

قدیم مشرق کے خردافروزی اور روشن خیالی کے اس اہم کردار کے باوجود محققین کا خیال ہے کہ یہ عقلی فکر دیوتاوں کے اثر و غلبہ کے باعث جلد ہی تنزل کا شکار ہو گئی۔ دیوتاوں کی کثرت، پروہتوں کی اجارہ داری اور زندگی کے ہر معاملے میں روحوں کی مداخلت آزاد فکر و تدبر کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ چونکہ مغرب کے فکری اور سائنسی ارتقا نے ایک مرحلے پر پہنچ کر خدا، وحی، الہام اور مذہب سے آزادی کی ضرورت محسوس کی چنانچہ ان کو عقلیت اور روشن خیالی کے منافی سمجھتے ہوئے توہمات میں شمار کیا گیا، اس لیے وہ مشرق کے مذہب پسند ہونے کو ان کی ذہنی پسماندگی کا سبب بتاتے ہیں۔ یہاں بہت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان تہذیب یافتہ نہیں تھا تو کیا اس وقت دیوی دیوتاوں کے اثرات ان پر غالب نہیں تھے کہ انہوں نے کسی مثال کے بغیر عقلی ترقی کی اور جب ترقی کر لی تو مذہب کے اثرات کی وجہ سے زوال کا شکار ہو گئے۔ جبکہ رابرٹ بریفالٹ تمام مشرقی

تہذیبوں کے زوال کا سبب ان کے مذہب کو قرار دیتے ہیں کہ اس مذہب نے ان کے اندر غلامی کی خو پیدا کر دی تھی اس لیے ان کی تخلیقی صلاحیتیں ماند پڑ گئیں حالانکہ جاپانی جنگ عظیم دوم کے وقت بھی سورج کی پوجا کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ۔ ان تہذیبوں نے انسان کو غاروں اور جنگلوں سے نکال کر محلات تک پہنچایا۔ اس کو اٹھنے بیٹھنے، کھانے، پینے کے آداب سکھائے، آج جو چیزیں مغرب کی تہذیب سمجھی جاتی ہیں دراصل وہ قدیم سمیری اور مصری تہذیب کی ایجاد ہیں مثلاً بڑی میز کے سامنے جس پر پھولوں کے گل دستے پڑے ہوتے تھے کرسی پر بیٹھ کر چمچ اور کانٹے سے کھانا کھانا مصری تہذیب کی ایجاد ہے۔ ان قدیم مشرقی تہذیبوں نے پڑھنا لکھنا سکھایا، تمدنی زندگی کے آداب بتائے، نظم نسق اور قوانین کی تدوین کی اور انسان کو قانون کی پاسداری کے فوائد سے آگاہ کیا، تمدنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنی عقلی اور تخلیقی صلاحیتوں کو اپنے ماحول کے مطابق نکتہ کمال تک پہنچایا اس نقطے تک جس سے آگے اس زمانے کا انسان جا ہی نہیں سکتا تھا۔ یورپ کی جدید تہذیب کی عمر صرف صرف تین سو سال ہے جس کو ہم چند صدیاں بھی نہیں کہہ سکتے جس کے زعم میں دنیائے عالم میں مشہور مغربی محقق رابرٹ بریفالٹ ہزاروں برس پر محیط تہذیب کے احسانات کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

''وہ خاموش مظلومی جو غلاموں کے قلوب کے اندر جاگزیں ہو چکی تھی، خدائی طاقت کے سامنے ذہنی تسلیم و رضا، خوف، رضامندی، جاں نثاری اور زلت، دریائی سرزمینوں کی وہ تقدیر جو مشرق کا ایک مہیب راز تھی یہ سب چیزیں تہذیب و تمدن کی ناگزیر بنیاد تھیں اگر یہ نہ ہوتیں تو یونان اور یورپ کا وجود بھی ناممکن تھا۔''(۲۰)

فاضل محقق نے ایک ہی سانس میں مشرق، اس کے مذہب اور اس کی دریائی سرزمین کو تسلیم و رضا، خوف جاں نثاری اور زلت کا سبب قرار

دیا۔ بابل کی سائنس جس نے دنیا بھر کی سائنس کے لیے جرثومہ حیات مہیا کیا۔ بابل سے مصر نے مصر سے یونان اور ایران نے استفادہ کیا اور پھر ۶۴۱ء میں مسلمان اس علمی اور سائنسی روایت کے مالک بن گئے۔ یورپ نے مسلمانوں کے چھوڑے علم و خرد سے نئی دنیا تخلیق کی آرنلڈ جے۔ ٹائن بی نے تہذیبوں کی شکست کا غیر جانب دارانہ معروضی تجزیہ تین نقطوں میں پیش کیا ہے:

,, خلاق اقلیت میں تخلیقی قوت کا فقدان جو اسے مقتدر اقلیت بنا دیتا ہے، اس کے جواب میں اکثریت کی جانب سے اطاعت گزاری اور تقلید کی بازداشت اور معاشرے میں بحیثیت مجموعی اتحاد کا فقدان'' (۲۱)

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ روشن خیالی اور خرد افروزی ایک رویہ ہے جس کا مذہب اور دریائی سرزمین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی غلامی اور جنگوں سے کوئی تعلق ہے۔ روشن خیال شخص فرسودہ مسلمات کے رد پر خود کو ہمہ وقت آمادہ رکھتا ہے، کورانہ تقلید سے گریز کرتا ہے رسومیات کی پیروی سے خود کو آزاد رکھتا ہے اور نئی اقدار کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلم معاشرہ خاص طور پر برصغیر کے معاشرے میں کورانہ تقلید اور روایت پرستی ایک رجحان بن گئی تھی اور فکری اعتبار سے یہ معاشرہ جامد ہو گیا تھا اسی لیے اقبال نے کہا:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند۔ اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی۔ رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی (۲۲)

انیسویں صدی ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے خاتمے اور برطانوی اقتدار کے آغاز کی صدی ثابت ہوئی ۱۸۵۷ کی ناکام جنگ آزادی نے ہندوستان میں سیاسی، سماجی اور تہذیبی زندگی کا رخ بدل دیا یہاں کے عوام جذباتی، فکری اور تہذیبی طور پر انتشار کا شکار ہوئے ان کے سامنے اپنی بقا اور سلامتی کا سوال پیدا ہوا ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو وہ اپنی موجودہ روش پر قائم رہیں یا بدلے ہوئے حالات میں زمانے کا ساتھ دیتے ہوئے مغربی فکر کو اختیار کریں، اس وقت مغرب کی علمی، فکری اور عسکری بالادستی کو دنیا تسلیم کر چکی تھی۔ ایسے میں سر سید احمد خان نے قوم کی علمی اور فکری راہنمائی کی سر سید احمد خان ایک ایسے شخص تھے جن کی روشن خیال فکر نے برصغیر کے منجمد اور ساکن معاشرے میں تحرک کی لہریں پیدا کیں، اگرچہ سر سید سے پہلے بھی بہت سے روشن خیال مفکرین اپنا کردار ادا کر چکے تھے لیکن اس سلسلے میں سر سید کی مساعی جمیلہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔

مغرب میں سائنسی حقائق کی ناگزیریت نے ایک نئے سائنسی پیراڈائم کو جنم دے کر سائنسی علم کو مذہب کی گرفت سے آزاد کر دیا اور اپنے اور مذہب کے دائرہ کار کی علیحدہ علیحدہ حد بندی کر دی۔ چونکہ دانش وری کا فطری رجحان وطنی قومی اور لسانی حدود سے وسیع تر ہوتا ہے اور اس طرح وہ عالمگیر طریقے پر ایک معیار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو ملکی خطوں سے ماورا ہوتا ہے۔ دانش وری کی اعلیٰ ثقافتیں اس وجہ سے دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ سر سید کے دور میں چونکہ مذہب کو سائنس سے سخت مبارزت درپیش تھی اور مذہب کی بقا پر سوالیہ نشان لگ چکا تھا اس لیے سر سید نے مذہب کی سائنس سے تطابق کی کوشش کی اس سلسلے میں سر سید پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے قران کو

سائنس کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس طرح سائنس کو مذہب پر فوقیت دی۔ دراصل اس وقت سائنس نے جتنے انکشافات کیے تھے دلائل بھی اسی کے مطابق دیے جا سکتے تھے اس کوشش میں انہوں نے بہت سے ایسے اعتقادات جن کی سائنس تصدیق نہیں کرتی ان کو مذہب کے تمثیلی پیرائے میں سمونے کی کوشش کی۔ اس طرح سر سید نے مذہب میں تعقل اور تفکر کو پروان چڑھایا۔ ان کی عقلیت پسند روایت کے اثرات کم یا زیادہ بہت سے اہل فکر نے قبول کیے جن میں مولوی چراغ علی، سید امیر علی، مولانا شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، اقبال، غلام احمد پرویز ڈاکٹر غلام جیلانی برق جیسے اہم نام شامل ہیں۔ بیسویں صدی میں خردافروزی کی یہ روایت چند ایسی نمایاں شخصیات کے وسیلے سے نہایت طاقت ور اثرات کے ساتھ ظہور پزیر ہوئی جن کی فکر میں جدید سیاسی، سماجی، معاشی، علوم و فنون اور اجتماعی انسانی تجربات و احساسات، اور انسان دوست تصورات شامل تھے۔ خردافروزی ایک مشترک وراثت ہے لیکن ایک مشترک منطق کے یہ معنی نہیں کہ دانش وروں اور مفکروں کے خیالات میں بھی اشتراک پایا جائے اگرچہ یہ بات عجیب لگتی ہے کہ ایک مشترک عقلی نظام کے ہوتے ہوئے مختلف مفکر ایک ہی نتیجے تک کیوں نہیں پہنچتے اگر ایسا ہوتا تو عقل اور فکر کا ارتقا رک جاتا، تمام اختلافات مل کر ہی دانش وری کے کلچر کو جنم دیتے ہیں جہاں خیالات کے اختلاف کو سمجھنا اور برداشت کرنا بھی اسی منطق کا تقاضا ہے جو کسی معاملہ میں مفکر کو کسی نتیجہ تک پہنچاتی ہے۔

References

1- Persian English Dictionary, Sang-i-Meel Publications, Lahore, 2015, P.453
2-Ali Abbas Jalalpuri, Roh-e-Asar, Takhliqat,Lahore, 1999, P.120.
3.Rifat Iqbal, Urdu Adab Men Khirad Afrozi Aor Roshan Khilai Ki riwayat, BZU, 2010, P.23.
4. Ali Abbas Jalalpuri, Khirad Nama, Takhliqat,Lahore, 2000, P.140
5. Farman Fatih Puri, Roshan Khiyali Aor Urdu Adab, Fanoon, 1991, P.74.
6.Allama Iqbal, Bang-i-Dara, Lahore, 1924, P.14.
7. Robert Brifalt, Tashkeel Insaniat, Lahore, 1985, P.65.
8. Frederick Fantasy, Zardshat, Delhi, 1940, P.174.
9. Robert Brifalt, Tashkeel Insaniat, Lahore, 1985, P.143
10. James Fareezer, Shakh-e-Zareen, Lahore, 2004, P.10.
11.Mubark Ali, Tahzeeb Ki Kahani, Islamabad, 2009, P.36.
12. Malik Ram, Babli Tahzeb-o-Tamadun, Delhi, 1992, P.53.
13. Langer, W. Encyclopedia Tareekh-e-Aalam,Translated G.Rasool Mehar, Karachi, 1964, P.35.,
14. Herodotus, Qadeem Tareekh, Translated Yasir Jawad, Lahore, 2005, P.135.
15. A. Hashmi, Naoe-insan aor Tareekh Tahzeeb Aalam, Dehli, 1977,, P.123.
16. Dr. Daud, Chinia Culture, Karachi, 1988, P.58.
17. W.Hunter, History of India, Lacnow, 1885, P.40.
18. Tara Chand, Islam Ka Hindustani Tahzeeb per Asr, Delhi, 1966, P.42.
19. Ejaz -ul- Haq Qadosi, Tareekh Sindh, Lahore, 2004, P.2.
20. Robert Brifalt, Tashkeel Insaniat, Lahore, 1985, P.141
21.Arnold Toynbee, Mutalia-e-Tareekh, Translated, G. Rasool Mehar, Lahore, 1964, P.854.
22.Iqbal, Bal-e-Jibreel, Aligarh, 2010, P.12.